حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے کلام میں کلمہ طیبہ کی اہمیت

عصمت اللہ زاہد، پی ایچ ڈی
سابق ڈین/پرنسپل
پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور

ḤAZRAT NOSHA GANJ BAKHSH
AND KALIMA TAYYIBA

Ismatullah Zahid, PhD
Former Dean/Principal
Punjab University Oriental College, Lahore

Abstract

Ḥazrat Nosha Ganj Bakhsh is one of the great Sufis of the Punjab who dedicated his life for the spread of true and peaceful message of Islam. A good number of locals embraced Islam by his preaching. Generally, he advised his followers to act upon all the teachings of Islam but especially he emphasized on reciting the Kalima Tayyiba again and again. His work both prose and verse teamed with the importance of recitation of the Kalima. He did this knowing the fact that if embedded this Kalima deep into the hearts of the believers, they would not go astray despite all kinds of temptations or fears. The article focuses Ḥazrat Nosha's teachings especially about the recitation of the Kalima Tayyiba.

Keywords:
Islam, Indo-Pak subcontinent, Punjab, Sufis, Nosha Ganj Bakhsh, Junaid Baghdadi, Mujaddid Alf Sani

حضرت نوشہ گنج بخشؒ (۱۰۱۴-۱۱۰۳ھ/ ۱۶۰۵-۱۶۹۱ء) کا شمار برصغیر پاک و ہند کے ان اولیاے کاملین میں ہوتا ہے جن کی تبلیغی اور علمی ادبی خدمات کا اعتراف ہر دور میں ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا۔ پاک وہند کے تیموری بادشاہ شاہ جہاں کے عہد (۱۶۲۸-۱۶۵۸ء) میں دو لاکھ ہندوؤں کو حلقہ بہ گوشِ اسلام کرنا معمولی کارنامہ نہیں (۱) جس کا اپنے تو اپنے غیروں نے بھی برملا اعتراف کیا ہے۔(۲)

فکری حوالے سے حضرت نوشہ کی دینی اور علمی ادبی خدمات کا محور کلمہ توحید و رسالت یعنی کلمہ طیبہ ہے۔ یوں تو ہر صوفی نے اس پر زور دیا ہے مگر شاہ جہانی عہد میں نوشہ صاحبؒ کا اسی ایک نکتہ پر توجہ مرکوز کرنا اور پھر پورے ہندوستان میں اسی کی گونج سنائی دینا خاص اہمیت کا حامل ہے۔ یہاں تک کہ مقامی لوک گیتوں پر بھی اس کے اثرات دکھائی دیتے ہیں۔

تاریخ انسانی اس امر کی گواہ ہے کہ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا علیہم السلام توحید ہی کو انسان کے دل و دماغ میں راسخ کرنے کے لیے آئے۔ یہاں تک کہ خاتم النبیّین حضور رسالت پناہ ﷺ نے واضح طور پر فرمایا:

> ”میں اس وقت تک لوگوں سے جہاد کروں گا جب تک وہ لاالہ الا اللہ کا اقرار نہ کر لیں۔“(۳)

کلمہ توحید پر رسالت مآب ﷺ کا اس قدر زور اسی لیے تھا کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے اس کی اہمیت یہ کہہ کر اجاگر کر دی ہے:

> ”اگر سات آسمان اور سات زمینیں اور جو کچھ ان کے مابین موجود ہے، ان سب کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے میں کلمہ رکھ دیا جائے تو کلمہ والا پلڑا بھاری ہوگا۔“(۴)

خدا اور رسول ﷺ کے ان احکامات کی روشنی میں یوں تو سبھی صوفیہ نے کلمہ طیبہ کی اہمیت کو اپنے اپنے انداز میں واضح کیا ہے۔ طوالت سے گریز کرتے اور چند صوفیہ کے اقوال کا سہارا لیتے ہوئے بات آگے بڑھاتے ہیں۔ حضرت ابوالعباس قاسمؒ بن المہدی الیادی کا قول ہے: ”توحید یہ ہے کہ دل میں کوئی چیز بجز خدا راہ نہ پائے۔“(۵)

حضرت جنید بغدادیؒ (۲۹۷ھ/۹۰۹ء) فرماتے ہیں کہ توحید یہ ہے کہ قدیم واجب الوجود ہستی کو ممکن الوجود ہستی سے جدا کر دیا جائے۔(۶) حسین بن منصورؒ (۸۵۸۔۹۲۲ء) کے بہ قول حقیقتِ توحید سے آشنا ہونے والے کے دل اور زبان سے کم و کیف اور چون وچرا ساقط ہو جاتا ہے۔ یعنی وہ نہ احکام الٰہی میں چون وچرا کرتا ہے اور نہ ہی حوادثِ دہر و مقدرات میں۔ وہ ہر حال میں راضی بہ رضا ہوتا ہے اور سرِ تسلیم خم کیے رکھتا ہے۔(۷)

قرآن مجید لاالہ الااللہ کے اس واضح تصور کو اس خوب صورت انداز میں پیش کرتا ہے کہ انسانی ذہن کے پیدا کیے ہوئے باطل عقائد کی خود بہ خود تردید ہو جاتی ہے۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر دور میں ہدایت کا سامان ہوتے ہوئے بھی باطل نظریات سر اُٹھاتے رہتے ہیں اور بعض اوقات تو ان کی یلغار طوفانی ہوتی ہے۔ ایسے میں اولیاے کاملین کو قولی اور فعلی دونوں محاذوں پر سینہ سپر ہونا پڑتا ہے۔ اس وقت ان کی کلمہ طیبہ کے سلبی اور ایجابی دونوں پہلوؤں پر گہری نظر ہوتی ہے۔ سلبی پہلوؤں سے وہ عوام الناس کے دل و دماغ سے باطل نظریات کو محو کرتے اور ایجابی پہلو سے اس خدا کی وحدانیت کا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کروانے کا فریضہ انجام دیتے ہیں جو کائنات کا خالق و مالک، عبادت کے لائق، حاجت روا، عزت و ذلت، فتح و نصرت، موت و حیات، رزق کی تنگی و فراوانی گویا تمام اختیارات میں یکتا ہے۔ انسان اس کی تخلیق ہونے کے ناطے اس کے سامنے بنیادی طور پر بے حد کم زور اور ناتواں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفی شعرا نے اپنے لیے عاجز، فقیر یا درویش جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ کلمہ طیبہ کے حوالے سے ایک باریک نکتہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ جس طرح آدم علیہ السلام سے شروع ہونے والی نبوت کی تکمیل رسالت مآب ﷺ پر آکر خاتم النبیین کی شکل میں ہوئی اسی طرح لاالہ الااللہ کی تکمیل بھی محمد رسول اللہ پر ہوتی ہے۔ جس کی وضاحت سرکارِ عالم ﷺ نے ان بابرکت الفاظ میں فرمادی ''جس نے لاالہ الااللہ پڑھا، وہ جنت میں داخل ہو گیا۔''

حضرت مجدد الف ثانیؒ (۱۵۶۳۔۱۶۲۴ء)، حضور ﷺ کی اس حدیث سے متعلق لکھتے ہیں کہ بعض تنگ نظر لوگ تعجب کرتے ہیں کہ ایک بار کلمہ پڑھنے سے انسان جنت میں کیسے جاسکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں ایسے لوگ کلمہ طیبہ کی حقیقت اور برکت سے واقف نہیں ہیں جب کہ اس کلمے کی شان،

برکت اور جلال اس قدر ہے کہ اگر حضور اکرم ﷺ کلمے کے ایک ہی ورد سے پوری کائنات کی بخشش اور جنت کی بشارت دے دیتے تو بھی اس میں گنجائش باقی رہتی۔(۸)اس کلمے کے فیوض و برکات اگر پوری کائنات میں تقسیم کر دیے جائیں تو قیامت تک کائنات کی ہر شے ان سے مستفید ہوتی رہے گی۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرنے والی اگر کوئی چیز ہے تو یہی کلمہ طیبہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ۹۹ویں حصوں کی کلید ہے۔(۹)اسی لیے نوشہ صاحبؒ نے بھی اپنے اردو اور پنجابی کلام میں کلمے کے ذکر پر بہت زیادہ زور دیا ہے:

کہہ کلمہ یار پیارے تیرے مولا کاج سوارے

کہہ کلمہ یار پیارے

حضرت نوشہ گنج بخشؒ کے ہم عصر معروف صوفی بزرگ حضرت سلطان باہو قادریؒ (۱۶۲۹۔۱۶۹۱ء) بھی اپنی کتاب **امیر الکونین** میں کلمہ سے متعلق فرماتے ہیں:

> ''ہر دو جہان، علم کی قید میں ہیں اور علم، کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی قید میں ہے اور کلمہ طیبہ اسم اللہ کی قید میں ہے۔ جو شخص کلمے کو دلی تصدیق کے ساتھ پڑھتا ہے اور کلمہ طیبہ کی کنہ جانتا ہے اس سے کوئی علم بھی مخفی نہیں رہتا۔''(۱۰)

اسی لیے بزرگانِ دین نے کلمے کی بے حد تلقین فرمائی ہے۔ چناں چہ حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے اپنے کلام میں کلمہ طیبہ کو صحیح طریقے سے پڑھنے اور اس کی حقیقت کو کسی اللہ والے کی صحبت میں بیٹھ کر سمجھنے پر جس قدر زور دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس کی ایک وجہ تو نوشہ صاحبؒ کا وہ تبلیغی مقصد تھا جس کے حصول کے لیے انھوں نے پوری زندگی وقف کر دی اور دوسری وجہ اُس لادینی طوفان کا سدِّباب تھا جو مغل بادشاہ اکبر (۱۵۴۲۔۱۶۰۵ء) کے عہد (۱۵۵۶۔۱۶۰۵ء) سے شاہ جہانی عہد تک چلا آ رہا تھا اور جس نے اسلامی تعلیمات کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ یہ بجا ہے کہ ابتدا میں اکبر اسلامی عبادات کا پابند تھا۔ اس کے دربار میں نماز باجماعت ہوتی تھی۔ وہ علما کا قدردان اور بزرگانِ دین سے بے حد عقیدت وارادت رکھتا تھا۔ اس نے کئی مرتبہ پیدل چل کر حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ (۱۱۴۱۔۱۲۳۵ء) کے مزار پر حاضری دی۔ اس کے دربار میں ملا عبداللہ سلطان پوریؒ، مخدوم الملکؒ اور ملا عبدالنبیؒ، ''صدرِ جہان'' کے عہدوں پر فائز تھے۔ لیکن جس وقت مختلف فرقوں کے علما نے دربار کو

مناظروں کا اکھاڑا بنالیا تو شہنشاہ اکبر جو علمِ دین سے پوری طرح بہرہ مند نہ تھا، علما سے بد دل اور دین سے غافل ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک لکھا گیا ہے کہ وہ دین اسلام سے برگشتہ ہو گیا۔ ملا مبارک ناگوری اور اس کے دو بیٹوں ابوالفضل (۱۵۵۱۔۱۶۰۲ء) اور فیضی (۱۵۴۵۔۱۵۹۷ء) نے موقع غنیمت جان کر نہ صرف اکبر کا قرب حاصل کر لیا بل کہ اپنے اثر و رسوخ سے ایک محضر نامے پر علما کے دست خط بھی حاصل کر لیے جس کی رو سے شہنشاہ اکبر کو مجتہد اور امام بنا دیا گیا تھا۔ اکبر نے یہ عہدہ سنبھالتے ہی اسلامی عقائد، یوم حشر، معجزات، ثواب عذاب اور جنت دوزخ وغیرہ کا نہ صرف خود مذاق اڑانا شروع کر دیا بل کہ بھرے دربار میں ان پر مباحث شروع کرا دیے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ بھرے دربار میں رسول کریم ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخیاں ہونے لگیں۔ ملا عبدالقادر بدایونیؒ کے بہ قول کفار اور ہندو خواتین کی خوشی اور خوشنودی کے لیے اکبر، نبی کریم ﷺ کا نام مبارک بھی زبان پر لانا گوارا نہ کرتا تھا۔(۱۱)

علما اپنی کتابوں میں خطبہ لکھنے سے ڈرتے تھے۔ صرف توحید اور بادشاہی القاب ہی کافی خیال کیے جاتے تھے اور حضور اکرم ﷺ کا اسم مبارک زبان پر لانے کی جرأت نہ کرتے تھے۔ بعض ہندو اور ہندو نواز مسلمان حضور اکرم ﷺ کی نبوت پر کھلم کھلا اعتراض کرتے تھے۔ دیوان خانے میں کسی کو نماز ادا کرنے کی جرأت نہ تھی۔ حج اور روزہ تو اس سے پہلے ہی ساقط ہو چکے تھے۔ یہی نہیں بل کہ ابوالفضل اور فیضی نے اکبر کو مجتہد سے بڑھا کر خود ساختہ نبوت کے مقام پر لا کھڑا کیا اور دینِ الٰہی کے نام سے ایک نئے مذہب کی بنیاد پڑ گئی۔ فیضی کے اس شعر سے واضح ہے کہ اکبر کی جھوٹی نبوت اور دینِ الٰہی نے کیا رخ اختیار کیا:

شکر صد شکر کہ خیر البشرے پیدا شد　　　یک نبی رفت پسِ او دگرے پیدا شد

ترجمہ: صد شکر کہ خیر البشر پیدا ہو گیا، ایک نبی کے جانے کے بعد دوسرا پیدا ہو گیا۔

اکبر نے اپنے عہد سلطنت میں عیسائی، مجوسی، ہندو اور دیگر مذاہب کے علما اپنے دربار میں جمع کیے۔ ان کے آپس میں مناظرے کرائے۔ اکبر کے حکم سے ابوالفضل نے انجیل کا ترجمہ کیا اور زرتشت مذہب کے پیروکاروں کی دل جوئی اور خوشنودی کے لیے شاہی محل میں آتش کدہ تعمیر ہوا۔ پرتگیزی پادری تمام تر تہذیبی اور اخلاقی اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی شان میں

گستاخی کرتے۔ اس قسم کی باتوں سے دربار میں موجود مسلمانوں کے دل کڑھتے ضرور تھے لیکن کسی کو ان پادریوں کا منہ بند کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

یوں اکبر نے مختلف مذاہب میں سے اپنی پسند کے اصول یک جا کیے اور ان کے تال میل سے ایک نئے مذہب یعنی دینِ الٰہی کی اساس رکھی گئی۔ اکبر اعظم کا یہ فعل بے شک سیاسی تھا کہ رعایا بغاوت نہ کرے اور اس کی مطیع و فرماں بردار رہے، لیکن اسلام سے دوری اختیار کرنا شاید اس قدر نقصان دہ نہ تھا جس قدر اسلام کا تمسخر اڑانے اور دین اسلام کے سنہری اصولوں کو گڈ مڈ کرنے اور ان کی شکل بگاڑنے سے ہوا۔

دین الٰہی کا کلمہ: لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ ....۔ نیز السلام علیکم کی جگہ پیروکار اللہ اکبر کہتے تھے جس کے جواب میں جلّ جلالہ کہا جاتا۔ بادشاہ کو سجدہ کیا جانے لگا۔ فتویٰ سے بچنے کے لیے سجدہ کی جگہ زمین بوسی کی اصطلاح تراشی گئی۔ بادشاہ کی زیارت مرادوں کا قبلہ اور حاجتوں کا کعبہ قرار دی گئی۔ (۱۲)

ہندو عورتوں سے شادیاں رچانے، ماتھے پر تلک لگانے اور مندر جانے پر اکبر اپنی وضع قطع اور بود و باش سے بالکل ہندو نظر آتا تھا۔ اکبر کی اس روش اور اسلام کا حلیہ مسخ کرنے سے مسلمان تو اس سے سخت نالاں تھے ہی لیکن اکبر اس ہیئت کذائی کے باوجود ہندوؤں کو بھی خوش نہ رکھ سکا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی موت کے فوراً بعد اس کے خود ساختہ اصول اور قوانین اپنی موت آپ مرنے لگے۔ تاہم ان میں سے بعض مشرکانہ رسومات جہانگیری عہد (۱۶۰۵۔۱۶۲۷ء) تک جاری رہیں۔ دربار جہانگیری میں ان قبیح اور مشرکانہ رسومات میں بادشاہ کو عوام کی طرف سے سجدہ کو جائز اور سعادت سمجھا جاتا تھا۔ شیخ محمد اکرام (۱۹۰۸۔۱۹۷۳ء) نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''مریدان شاہی بالخصوص درشنیوں کا تھوڑا بہت سلسلہ اکبر کے بعد بھی جاری رہا۔'' (۱۳)

ایسے میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بلاشبہ حالات کا دھارا بدلنے کی کوشش کی۔ لیکن دربار میں ہندوؤں کا غلبہ تھا اور ابوالفضل اور فیضی کی پھیلائی ہوئی فسلفیانہ موشگافیوں کے جادو سے بچ نکلنا آسان کام نہ تھا۔ سعدی شیرازی (۱۲۱۰۔۱۲۹۲ء) کا قول ہے کہ اگر بادشاہ ظلم سے ایک انڈہ کسی سے لے تو اس کے سپاہی لوگوں کے مرغ بھون کر کھا جائیں گے۔ یعنی حاکمِ وقت کی اچھی یا بُری باتیں عوام

اورینٹل کالج میگزین، جلد ۹۷، شمارہ ۲، مسلسل شمارہ: ۳۶۲، سال ۲۰۲۲ء

میں بہت جلد سرایت کر جاتی ہیں۔ چناں چہ یہ خطرہ بھی منڈلا رہا تھا کہ کہیں جہاں گیر کی موت (۱۶۲۷ء) کے بعد دربار پر بے دین لوگوں کا مکمل قبضہ نہ ہو جائے۔ پھر یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بادشاہی رعب و جلال کے باعث شاید درباریوں کو تو راہ راست پر لایا جا سکتا ہے لیکن عوام میں سرایت کیے ہوئے غلط عقائد اور نظریات کو تبدیل کرنا بے حد دشوار ہوتا ہے۔ چناں چہ یہ دشوار کام جہاں گیری عہد کے بعد شاہ جہان کے زمانے میں حضرت نوشہ گنج بخشؒ نے انجام دیا۔ انھوں نے نہ صرف مسلمانوں کے دلوں میں کلمہ طیبہ کو راسخ کیا بل کہ بہ قول گارساں دتاسی (۱۷۹۴۔۱۸۷۸ Garcin de Tassy) اسی کلمے کی برکت سے انھوں نے دو لاکھ لوگوں کو حلقہ بہ گوشِ اسلام کیا۔ اگر اس سارے پس منظر کی روشنی میں حضرت نوشہ صاحبؒ کے کلام کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے کلام میں جگہ جگہ کلمے پر اس قدر زور کیوں دیا۔

حضرت نوشہ صاحبؒ نے کلمے کے حوالے سے لوگوں کو جو درس دیا، اس کا سب سے پہلا اور اہم نکتہ یہ ہے کہ کلمہ حقیقت میں وہی ہے جو عہدِ رسالت سے چلا آرہا ہے۔ اس میں کسی قسم کی تبدیلی کا کسی شخص کو کوئی حق حاصل نہیں۔ اگر کوئی حاکم کلمے کو مسخ کرنے یا تبدیل کرنے کی کوشش کرے تو اس کے خلاف جہاد لازم ہے۔ حاکم اس سلسلے میں خواہ کتنا ہی ظلم و ستم کرے، مسلمانوں کو اپنے عقیدے سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے اور نہ ہی کسی قسم کے خوف اور لالچ کی وجہ سے استقامت میں لغزش کا مرتکب ہونا چاہیے۔ نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

مرشد سچے آکھیا سچا کلمہ آکھ
سچا کلمہ آکھیاں سچی ہووے ساکھ
مرشد سچے آکھیا سچا کلمہ پڑھ
سچا کلمہ آکھیاں موتوں ذرا نہ ڈر(۱۴)
کلمے اندر آیا رب رسول دا نام
ہور نہ نام رلایئے نوشہ کرے کلام(۱۵)
کلمے دے وچ آیا اللہ محمد دا ناؤں
ہور کسے دی ایس وچ نوشہ ناہیں تھاؤں(۱۶)

کلمے وچ شریک نہ نوشہ کوئی ہور
اللہ پاک محمد نیں سدا ایہناں نوں سَور
سچا کلمہ ایہہ ہے کہے فقیر نوشاہ
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ(۱۷)

اس کے لیے جہاں انھوں نے وعظ و نصیحت کے علاوہ اپنی اردو اور پنجابی شاعری سے کام لیا وہاں اپنے خلفا کی ایک بہت بڑی جماعت بھی تیار کی جس کا ہر فرد ظاہری اور باطنی علوم سے مالا مال تھا۔ یہ جہاں بھی جاتے لوگوں کے دلوں کی کایا پلٹ دیتے تھے۔ نوشہ صاحبؒ نے اپنے ان خلفا کو اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ اور آشنا کر کے ملک کے مختلف علاقوں میں تبلیغ کے لیے بھیجا کہ جب مسلمان کلمے کی اہمیت اور اس کے مخفی حقائق سے آشنا ہو جاتا ہے تو پھر اس پر کائنات اور خالقِ کائنات کی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے اور اس حقیقت کو پالینے کے بعد وہ محض مٹی کا پُتلا نہیں رہ جاتا بل کہ قربِ الٰہی حاصل کر کے گراں بہا موتی بن جاتا ہے:

کلمہ پونجی اصل ہے، نفع فضل خدائے
نوشہ کلمہ آکھیاں مومن بخشیا جائے
مونہوں کلمہ آکھنا نوشہ دلوں یقین
اصل فقیری ایہہ ہے ایہو سچا دین(۱۸)

نوشہ صاحبؒ نے کلمہ طیبہ کی اہمیت اور ضرورت پر زور دیتے ہوئے اس کے معنوی پہلوؤں کا جس گیرائی اور گہرائی سے ذکر کیا ہے، پنجابی یا اردو شاعری میں اس کی مثال ملنا بہت مشکل ہے۔ نوشہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ کلمے کی ظاہری اور باطنی خوبیاں کسی سالک پر اس وقت تک منکشف نہیں ہوتیں جب تک وہ کسی کامل مرشد سے کلمہ نہیں سیکھتا۔ ایک کامل مرشد ہی کلمے کے جملہ اسرار و رموز بیان کر سکتا ہے۔ مرشد سب سے پہلے اپنے مرید کو کلمے کے ورد کی تعلیم دیتا ہے۔ پھر مرشد کی خاص توجہ سے کلمے میں پوشیدہ اسرار و رموز مرید کے قلب پر ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ بات حضرت سلطان باہوؒ نے بھی یوں کہی تھی:

جیوے مرشد کامل باہوؒ جیں ایہہ بوٹی لائی ہو

نوشہ صاحبؒ نے کلمے کے حوالے سے جہاں اپنے مرشد کی مہربانیوں کا ذکر کیا ہے وہاں اپنے مرید خاص حضرت پیر محمد سچیارؒ (وفات ۱۱۲۰ھ/۱۷۰۷ء) کو مخاطب کر کے حاصلِ کلام یوں بیان کرتے ہیں:

اللہ من تے من محمد تے مرشد من سچیارا
دلوں زبانوں کلمہ پڑھ لئے تاں ہووے چھٹکارا
کلمہ دین دنی دا توشہ اس بن نہیں گزارا
بن کلمہ نہ ہووے نوشہ کسے دا پار اتارا(۱۹)

نوشہ صاحبؒ اس حقیقت سے آشنا تھے کہ اگر کلمہ توحید کو مسلمانانِ برِّصغیر کے دلوں میں صحیح معنوں میں راسخ کر دیا جائے تو وہ شرک اور جہالت کی وادیوں میں نہیں بھٹک سکیں گے۔ ان کے سامنے رسالت مآب ﷺ کا یہ فرمان تھا کہ مجھے اپنی اُمت سے یہ خدشہ نہیں کہ وہ شرک کرے گی مگر دنیا کی محبت میں گرفتار ہو سکتی ہے۔ چناں چہ انھوں نے کلمہ حق کے اسرار و رموز پر اس قدر توجہ فرمائی کہ مسلمانوں کے علاوہ دو لاکھ ہندو یہی کلمہ پڑھ کر ایمان کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ انھوں نے عوام الناس کے ذہنوں اور دلوں پر کلمہ توحید کی ایسی دھاک بٹھائی کہ خام صوفیوں کی طرف سے وحدت الوجود کی غلط تفہیم کی بنا پر اسلام اور ہندو مت کے اشتراک کے باطل نظریات کا بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قلع قمع کر دیا۔

توحیدِ خالص کا یہی تصورِ کامل برصغیر کے لوگوں کے دلوں اور دماغوں پر صدیوں دستک دیتا ہوا جب بیسویں صدی تک پہنچتا ہے تو یہی تصور دو قومی نظریے کی مضبوط بنیاد بن جاتا ہے جس کی بنا پر برصغیر کی تقسیم اور پاکستان کا قیام ممکن ہوا۔ لہٰذا ہمیں حضرت نوشہ گنج بخشؒ اور اُن جیسے اولیاے کاملین کے اس احسان کو ہمیشہ یاد رکھنا ہو گا جس کی وجہ سے بہ طور مسلمان آج ہم ایک آزاد اسلامی مملکت میں سُکھ کا سانس لے رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۲) گارساں دتاسی، خطبات گارساں دتاسی،(دہلی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۴۳ء)، خطبہ ۱۶۔

(۳) عصمت اللہ زاہد، حضرت نوشہ گنج بخش۔حالات و آثار۔ (سنگھوئی، جہلم: ۲۰۰۹ء)، ۳۲۷۔

(۴) ایضاً۔

(۵) کشف المحجوب، اردو ترجمہ: ایف ڈی گوہر، (لاہور: ضیاءالقرآن پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء)، ۱۴۷۔

(۶) یوسف سلیم چشتی، تاریخ تصوف، (لاہور: علماء اکیڈمی محکمہ اوقاف پنجاب، ۱۹۷۶ء)، ۲۲۶۔

(۷) ظفر احمد عثمانی، سیرت منصور حلاج، (کراچی: ۱۳۹۷ھ)، ۱۵۱۔

(۸) احمد سرہندی، مجدد الف ثانی، مکتوبات، (لکھنؤ: نولکشور، ۱۸۷۷ء) دفتر دوم، مکتوب ۳۷۔

(۹) ایضاً۔

(۱۰) سلطان باہو، امیر الکونین،(لاہور:اردو ترجمہ،اللہ والے کی قومی دکان،۱۳۳۲ھ)،۲۹۔

(۱۱) عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ،(لکھنؤ:نولکشور ۱۲۸۴ھ)،ج۔۲،۱۲۵۔

(۱۲) ایضاً،۲۵۹۔

(۱۳) شیخ محمد اکرام، رود کوثر، (لاہور،۱۹۵۸ء)،۱۳۲۔

(۱۴) نوشہ گنج بخش، گنج شریف،(لاہور: دارالمورخین،۱۹۷۵ء)،۴۹۸۔

(۱۵) ایضاً،۵۰۸۔ (۱۶) ایضاً،۵۰۸۔ (۱۷) ایضاً،۴۸۵۔

(۱۸) ایضاً،۴۹۸۔ (۱۹) ایضاً،۵۰۵۔

REFERENCES

(1) Thomas Arnold, Preaching of Islam, (London: 1913), p.286

(2) Garcin de Tassy, Khūtbāt-i Tassy, (Delhi: Anjuman-i Urdū, 1943), Khūtba 16.

(3) Ismatullah Zaḥid, Ḥazrat Nosha Ganj Bakhsh-Ḥālāt-o-Āsār, (Sanghoī, Jehlam, 2009), p.327.

(4) ibid.

(5) Kashf al-Maḥjūb, Urdū trans. F.D Gohar, (Lahore: Zia al-Qurān Publications, 2003), p.147.

(6) Yousuf Saleem Chishti, Tārīkh-i Tasavvuf, (Lahore: Ulama Academy, Auqāf Department, Punjāb 1976), p.226.

(7) Zafar Aḥmad Osmani, Sīrat-i Mansūr Ḥallāj, (Karachi 1397A.H), p.151.

(8) Aḥmad Sarhindī Mujaddid Alf Sānī, Maktūbāt, (Lakhnau: Naval Kishaur 1877), Daftar 2, Maktūb 37.

(9) ibid.

(10) Sultān Bahū, Amīr al-Kaunain, Urdū trans. (Lahore: Allah Valay ki Qaumi Dukān, 1332 A.H), p.29.

(11) Abdul Qadir Badayūni, Muntakhab al-Tavārīkh, (Lakhnau: Naval Kishaur 1284 A.H), v.2, p.125.

(12) ibid, p.259.

(13) Shaikh Muḥammad Ikrām, Rūd-i Kausar, (Lahore 1958), p.132.

(14) Nosha Ganj Bakhsh, Ganj Sahrīf, Dār al-Moarrikhīn, (Lahore 1975), p.498.

(15) ibid, p.508. (16) ibid, p.508. (17) ibid, p.485.

(18) ibid, p.498. (19) ibid, p.505.

❖❖❖